© rasailojaraid.com

تعلیم وتعلّم

حافظ صلاح الدین یوسف

مدارسِ دینیہ کے مقصدِ قیام کی روشنی میں

تعلیمی اصلاح کیوں اور کیسے؟

سوویت یونین کے بکھر جانے اور رُوس کے بحیثیتِ سپر طاقت زوال کے بعد، امریکہ واحد سپر طاقت رہ گیا ہے۔ جس سے اس کی رُعونت میں اضافہ اور پوری دنیا کو اپنی ماتحتی میں کرنے کا جذبہ توانا، بالخصوص عالم اسلام میں اپنے اثر ونفوذ اور اپنی تہذیب وتمدن کے پھیلانے میں خوب سرگرم ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر (نیا عالمی نظام) اس کے اِسی جذبے کا مظہر اور عکاس ہے۔

امریکہ کے دانشور جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ان کی حیا باختہ تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب، اپنے حیاء وعفت کے پاکیزہ تصورات کے اعتبار سے بدر جہا بہتر اور فائق ہے۔ اس لیے یہ اسلامی تہذیب ہی اس کے نئے عالمی نظام اور اس کی عالمی چودھراہٹ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے، اسے ختم یا کمزور کئے بغیر وہ اپنا مقصد اور عالمی قیادت حاصل نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس نے اسلامی تہذیب وتمدن کو ختم کرنے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز تر کردی ہیں۔ یہ مذموم کوششیں، ویسے تو ایک عرصے سے جاری ہیں، اور مختلف جہتوں اور محاذوں سے یہ کام ہو رہا ہے۔ بعض محاذوں پر اس کی پیش قدمی نہایت کامیابی سے جاری ہے مثلاً حقوقِ نسواں کے عنوان سے، مسلمان عورتوں میں اپنے مذہب سے نفرت وبیگانگی اور بے حیائی وبے پردگی کی اشاعت، جس میں وہ بہت کامیاب ہے۔ چنانچہ سعودی معاشرے کے علاوہ بیشتر اسلامی ملکوں کی مسلمان عورتوں کو اس نے اسلامی تعلیمات کے بالکل برعکس پردے کی پابندی سے آزاد اور حیاء وعفت کے اسلامی تصورات سے بے نیاز کردیا ہے......

مخلوط تعلیم، مخلوط سروس اور مخلوط معاشرت کا فتنہ اور مساواتِ مرد وزن کا مغربی نظریہ ہے، جو ہر اسلامی ملک میں اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ گویا اس محاذ پر بھی مغرب کی سازشیں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔ نرسری سے لے کر کالج اور یونیورسٹیوں کی سطح تک، نصابِ تعلیم میں لارڈ میکالے کی وہ روح کارفرما ہے جو اس انگریزی نظامِ تعلیم کا موجد تھا اور جس نے کہا تھا کہ

''اس سے ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی، مگر خیالات اور تمدن میں

© rasailojaraid.com

انگریز ہوگا۔''

یہ بات اس نے ۱۸۳۴ء میں کہی تھی جب متحدہ ہندوستان انگریزوں کے زیرنگین تھا،لیکن آزادی کے بعد بھی چونکہ یہی نصابِ تعلیم بدستور جاری ہے، اس لیے خیالات اور تمدن میں انگریز بننے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

انگریزی زبان کے تسلط اور برتری سے بھی وہ اپنے مذکورہ مقاصد حاصل کررہا ہے اور ہم نے اس کی زبان کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے اور یوں اس کے استعماری عزائم اور اسلام دشمن بلکہ اسلام کش منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اس کے دست وبازو بنے ہوئے ہیں۔

اقتصاد ومعیشت میں بھی ہم نے اسی کی پیروی اختیار کررکھی ہے اور سودی نظام کو، جو لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات کا حکم رکھتا ہے، ہم نے اس کو مکمل تحفظ دیا اور اسے ہر شعبے میں بری طرح مسلط کیا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اقتصادی ناہمواری عروج پر ہے۔ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر بنتا جارہا ہے، نودولتیوں کا ایک ایسا طبقہ الگ معرضِ وجود میں آچکا ہے جو پوری طرح مغربیت کے سانچے میں ڈھل چکا ہے، اس کا رہن سہن، بودوباش، طور اطوار، حتیٰ کہ لہجہ وزبان تک سب کچھ مغربی ہے، وہ اسی مغربی تہذیب کا والہ وشیدا اور پرستار ہے اور اس کے شب وروز کے معمولات مغربی معاشرت کی ہی عکاسی کرتے ہیں۔

سیاست ونظم حکومت میں بھی ہم نے جمہوریت کو اَپنایا ہوا ہے، جو مغرب ہی کا تحفہ ہے۔ یہ پودا مغرب میں ہی پروان چڑھا، وہاں کی آب وہوا شاید اِسے راس ہو، لیکن اسلامی ملکوں کے لیے تو جمہوریت اسلام سے محروم کرنے کی ایک بہت بڑی سازش ہے جس کے دامِ ہم رنگ زمین میں بیشتر اسلامی ملک پھنس چکے ہیں۔ کچھ تو اس کی 'برکت' سے اسلامی اقدار وروایات سے بالکل بیگانہ ہو چکے ہیں، جیسے ترکی ہے۔ کچھ سخت جان ہیں تو وہاں اسلامی اقدار اور مغربی اقدار میں سخت کشمکش برپا ہے۔

برسراقتدار حکمران مغربی تہذیب وتمدن کو مسلط کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جبکہ اسلامی تہذیب سے محبت کرنے والا ایک گروہ اس کے خلاف مزاحمت کررہا ہے۔ تاہم عوام کی بہت بڑی اکثریت، بیشتر اسلامی ملکوں میں، دینی جذبہ واحساس اور شعور سے محروم ہونے کی وجہ سے الناس علیٰ دین ملوکھم کے تحت مغرب کی حیاباختہ تہذیب کو ہی اپنا رہی ہے۔

ہماری صحافت بالخصوص روزنامے، مغربی ملکوں کے روزناموں سے بھی زیادہ بے حیائی پھیلانے میں مصروف ہیں، یہ چندٹکوں کی خاطر مسلمان عورت کو روزانہ عریاں اور نیم عریاں کرکے پیش کرتے ہیں تاکہ عوام کی ہوس پرستی اور جنسی اشتہا کی تسکین کرکے ان کی جیبوں سے پیسے بھی کھینچے جائیں اور

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اُنہیں دولتِ ایمان سے بھی محروم کر دیں۔ ان غارت گرانِ دین وایمان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان مہ وشوں، سیمیں تنوں اور رہزنانِ تمکین وہوش کی رنگین اور شہوت انگیز تصویروں سے عوام کے اَخلاق وکردار کس بری طرح بگڑ رہے ہیں، بے حیائی اور بے پردگی کو کس طرح فروغ مل رہا ہے اور فحاشی کا سیلاب کس طرح ہر گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ انہیں صرف اپنی کمائی سے غرض ہے، اس کے علاوہ ہر چیز سے انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

ان مایوس کن، ایمان شکن اور روح فرسا حالات میں صرف دینی تعلیم وتربیت کے وہ ادارے اور مراکز ہی اُمید کی ایک کرن ہیں، جنہیں مدارسِ دینیہ اور مراکزِ اسلامیہ کہا جاتا ہے، جہاں محروم طبقات کے بچے یا دینی جذبات سے بہرہ وَر لوگوں کے نوجوان، دین کے علوم حاصل کر کے، مسلمان عوام کی دینی رہنمائی بھی کرتے ہیں اور ان کی دینی ضروریات کا سروسامان بھی۔ ان کی وجہ سے ہی تمام مذکورہ شیطانی کوششوں کے باوجود اسلامی عبادات وشعائر کا احترام لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اس لحاظ سے یہ دینی مدارس اپنی تمام تر کوتاہیوں، محرومیوں اور کسمپرسی کے باوجود، جیسے کچھ بھی ہیں، اسلام کے قلعے اور اس کی پناہ گاہیں ہیں۔ دینی علوم کے سرچشمے ہیں، جس سے طالبانِ دین کسبِ فیض کرتے اور تشنگانِ علم سیراب ہوتے ہیں اور یہ مدارس دین کی مشعلیں ہیں جن سے کفروضلالت کی تاریکیوں میں، ہدایت کی روشنی پھیل رہی ہے اور اس کی کرنیں ایک عالم کو منور کر رہی ہیں!!

اِن کی یہ خوبی ہی دشمن کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے۔ اسلام دُشمن استعماری طاقتیں، جنہوں نے عالم اسلام کو مذکورہ حسین جالوں میں پھنسا رکھا ہے اور جو اسے اسلام کی باقیات سے بالکل محروم کر دینا چاہتی ہیں۔ ملکی سیاست سے باہر نکالنا چاہتی ہیں تاکہ انتخابات کے مرحلے میں بھی 'اسلام' کا نام لینا جرم بن جائے۔ مسلمان سربراہوں کی اس کانفرنس میں جو گذشتہ برسوں کاسابلانکا میں ہوئی، وہ اس قسم کی ایک قرارداد پاس کروانے میں کامیاب بھی ہوگئیں اور اس کے بعد اب یہ استعماری طاقتیں عالم اسلام میں برسراقتدار اپنی پٹھو حکومتوں کے ذریعے سے دینی مدرسوں کو بھی ان کے اصل کردار سے محروم کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ مغرب کی آلہ کار حکومتیں اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے آئے دن ان کے خلاف ژاژ خائی کرتی رہتی ہیں اور کبھی فرقہ واریت سے انہیں مطعون کر کے ان مدارس میں مداخلت کے لیے پر تولنے لگتی ہیں۔ تاکہ انہیں ان کے اس تاریخی کردار سے محروم کر دیا جائے جو وہ صدیوں سے انجام دے رہے ہیں اور یہاں سے بھی اسلام کے داعی ومبلغ، مفسر ومحدث اور مفتی وفقیہ پیدا ہونے کی بجائے، وہی مخلوق پیدا ہو جو کالج اور یونیورسٹیوں میں پیدا ہو رہی ہے، جس نے معاشرے سے اس کا امن اور سکون

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

چھین لیا ہے۔ جو میڈونا اور مائیکل جیکسن کی پرستار ہے اور اسلامی اقدار وروایات کے مقابلے میں مغربی اقدار وروایات کی شیدا اور اس کی تہذیب پر فریفتہ ہے۔

مدارسِ دینیہ ...... پس منظر اور مقاصد وخدمات

یہ مدارسِ دینیہ عربیہ، جن میں قرآن وحدیث اور ان سے متعلقہ علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، صدیوں سے اپنے ایک مخصوص نظام ومقصد کے تحت آزادانہ دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان مدارسِ دینیہ کے پس منظر، غرض وغایت اور ان کی عظیم دینی خدمات سے ناواقف لوگ، ان کے متعلق مختلف قسم کی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ کبھی ان مدارس کو بے مصرف اور ان میں پڑھنے پڑھانے والے طلباء وعلما کو 'یادگارِ زمانہ' کہا جاتا ہے، کوئی انہیں ملائے مکتب اور ابلہ مسجد قرار دیتا ہے جو ان کی نظر میں زمانے کی ضروریات اور تقاضوں سے ناآشنائے محض ہیں اور کوئی 'اصلاح' کے خوش نما عنوان سے اور 'خیر خواہی' کے دل فریب پردے میں باز (شکرے) کے روایتی قصے کی طرح انہیں ان کی تمام خصوصیات سے محروم کر دینا چاہتے ہیں اور اب ایک مخصوص گروہ کو سامنے رکھتے ہوئے، جن کا کوئی تعلق دینی مدارس سے نہیں ہے، انہیں 'دہشت گرد' بھی باور کرایا جا رہا ہے۔ غرض یہ مدارس اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا 'جتنے منہ، اتنی باتیں' کے مصداق ہر کہ ومہ کی تنقید کا نشانہ اور اربابِ دنیا کے طعن وتشنیع کا ہدف ہیں، بلکہ اب بین الاقوامی استعمار کی خاص 'نگاہِ کرم' بھی ان پر مبذول ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مدارس، اپنے مخصوص پس منظر اور خدمات کے لحاظ سے اسلامی معاشرے کا ایک ایسا اہم حصہ ہیں جن کی تاریخ اور خدمات سنہرے الفاظ سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان میں پڑھنے پڑھانے والے نفوسِ قدسیہ نے ہر دور میں باوجود بے سروسامانی کے دین اسلام کی حفاظت وصیانت کا قابل قدر فریضہ انجام دیا ہے۔ ان مدارس کے قیام کا پس منظر یہی تھا کہ جب حکومتوں نے اسلام کی نشرواشاعت میں دلچسپی لینا بند کر دی اور اسلامی تعلیم وتربیت میں مجرمانہ تغافل برتا تو علماءِ اسلام نے اربابِ حکومت اور اصحابِ اختیار کی اس کوتاہی کی تلافی یوں کی کہ دینی تعلیم وتربیت کے ادارے قائم کیے جو عوام کے رضاکارانہ عطیات اور صدقات وخیرات سے چلتے تھے۔ یہ دینی ادارے بالعموم سرکاری سرپرستی سے محروم ہی رہے ہیں اور اسی میں ان کے تحفظ وبقا کا راز مضمر ہے۔

بالخصوص برطانوی ہند میں، جب کہ انگریز نے لارڈ میکالے کی نظریہ تعلیم کے مطابق انگریزی تعلیم کو رواج دیا اور مسلمان عوام ملازمت اور دیگر مناصب ومراعات کے لالچ میں کالج اور یونیورسٹیوں کی طرف دیوانہ وار لپکے اور دینی تعلیم اور دینی اقدار سے بے اعتنائی وبیگانگی برتنے لگے تو علماء اور اصحابِ دین نے

© rasailojaraid.com

اس دور میں متحدہ ہندوستان کے قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں دینی مدارس کا جال پھیلا دیا۔

انگریزوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے جس انگریزی نظامِ تعلیم کو نافذ کیا تھا، اس کے دو بڑے مقصد تھے: ایک، دفتروں کے لیے کلرک اور بابو پیدا کرنا ...... دوسرا، مسلمان کو اس کے دین اور اس کے شعائر واقدار سے بیگانہ کردینا۔ بدقسمتی سے دورِ غلامی کا یہ مخصوص نظامِ تعلیم اپنے مخصوص مقاصد سمیت تاحال قائم ہے، اس لئے دینی مدارس کی ضرورت بھی محتاجِ وضاحت نہیں۔ بنا بریں علما جب سے اب تک ان مدارس کے ذریعے سے دین کی نشرو اشاعت اور دینی اقدار وشعائر کی حفاظت کا فریضہ نامساعدتِ احوال اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ انہی مدارس کا فیض ہے کہ ملک میں اللہ رسول کا چرچا ہے، حق وباطل کا امتیاز قائم ہے، دینی اقدار وشعائر کا احترام وتصور عوام میں موجود ہے اور عوام اسلام کے نام پر مرمٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

دینی مدارس کے اس پس منظر، غرض وغایت اور خدمات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، صنعت کار اور کلرک وبابو پیدا کرنا نہیں، بلکہ علومِ دینیہ کے خادم، دین اسلام کے مبلغ وداعی، قرآن کے مفسر، احادیث کے شارح اور دین متین کے علم بردار تیار کرنا ہے۔ ان کا نصابِ تعلیم اسی انداز کا ہے جن کو پڑھ کر وارثانِ منبر ومحراب ہی پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد ایسے ہی رجالِ کار پیدا کرنا ہے نہ کہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں کھپ جانے والے افراد۔ اس لیے بنیادی طور پر ان کے نصابِ تعلیم میں تبدیلی یا ان کی آزادانہ حیثیت میں تغیر، دونوں چیزیں ان کے مقصدِ وجود کی نفی کے مترادف ہیں۔

نصابِ تعلیم میں بنیادی تبدیلی سے دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلبا نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔ اگر کسی محدود سے مفاد کے ساتھ وہ دنیوی شعبے میں کھپنے کے لائق ہو بھی گئے تو بہر حال یہ تو واضح ہے کہ دینی علوم اور مذہبی تبلیغ سے ان کا رابطہ ختم ہو جائے گا یا اگر رہے گا بھی تو اُس انداز کا نہیں رہے گا جو اسلامی علوم کی نشرواشاعت اور اس کی تبلیغ کے لیے مطلوب ہے۔ اس طرح ان مدارس سے دین کے وہ خدام تیار ہونے بند ہو جائیں گے جن کے ذریعے سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، ائمہ وخطبا، حفاظ وقرا اور مدرّسین ومؤلفین پیدا ہو رہے ہیں جن سے مختلف دینی شعبوں کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

اگر نصابِ تعلیم کی تبدیلی سے یہی نتیجہ نکلا اور یقیناً یہی نکلے گا تو ظاہر بات ہے کہ مدارسِ دینیہ کی مخصوص حیثیت ختم ہو جائے گی اور وہ بھی عام دنیوی اداروں (سکول، کالج، یونیورسٹی وغیرہ) کی طرح ہو

© rasailojaraid.com

جائیں گے، حالانکہ دنیوی تعلیم کے یہ ادارے پہلے ہی ہزاروں کی تعداد میں ہر چھوٹی بڑی جگہ پر موجود ہیں اور حکومت ان پر کروڑوں روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ بنا بریں دینی مدارس کے نصاب میں بنیادی تبدیلی کے پیچھے خواہ کتنے ہی مخلصانہ جذبات اور خیر خواہانہ محرکات کارفرما ہوں۔ تاہم یہ جذبات ومحرکات بالغ نظری کی بجائے سطحیت کا شاخسانہ ہیں اور اس سے دینی تعلیم اور دینی ضروریات کا سارا نظام تلپٹ ہوسکتا ہے۔

مدارسِ دینیہ کی انہی خدمات اور حیثیت کے پیش نظر ایک موقعے پر علامہ اقبال نے بھی حکیم احمد شجاع سے فرمایا تھا:

> ''ان مکتبوں (مدارس) کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدرسوں میں پڑھنے دو، اگر یہ مولوی ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا، میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان اِن مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح، جس طرح اَندلس (سپین) میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمرا اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرے کے تاج محل اور دِلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اوران کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔''
> (کتاب 'خوں بہا' از حکیم احمد شجاع: حصہ اوّل، ص ۴۳۹)

دینی مدارس میں تعلیمی اصلاح ...... کیوں اور کیسے؟

مدارسِ دینیہ کے مذکورہ اغراض ومقاصد، ان کے تاریخی پس منظر اور انکی جلیل القدر خدمات کے باوجود، مدارسِ دینیہ عام طور پر تنقید کا نشانہ بنے رہتے ہیں اور اپنوں اور بیگانوں کی مجلسوں میں اپنے اپنے انداز سے اس پر تبصرے ہوتے رہتے ہیں۔ بالخصوص ان کا نصابِ تعلیم ہر وقت تختۂ مشق ستم بنا رہتا ہے، اس مضمون کا عنوان بھی یہی ہے: ''دینی مدارس میں تعلیمی اصلاح، کیوں اور کیسے؟''

جس کا مطلب یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ میں تعلیمی اصلاح یعنی نصاب کی تبدیلی کی ضرورت ہے اور یہ تبدیلی کیوں ضروری ہے؟ اور اس ضرورت کو کس انداز سے پورا کیا جائے؟ گویا اس عنوان کے دو پہلو یا دو حصے ہیں۔ جہاں تک اس کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو راقم کی گزارشات کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ مدارسِ دینیہ کے نصاب میں سرے سے بنیادی تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اس سے اس کے اصل مقاصد حاصل نہ ہو رہے ہوں۔ جب دینی مدارس کے قیام کا مقصد انجینئر، سائنس دان یا ڈاکٹر اور وکیل وغیرہ پیدا کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف علومِ قرآن وحدیث میں مہارت پیدا کرنا، دین کی تبلیغ ودعوت کی استعداد حاصل کرنا اور مسلمان عوام کی دینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنمائی کی فریضہ انجام دینا ہے اور مدارسِ دینیہ سے یہ مقاصد حاصل ہورہے ہیں، تقریباً دوسو سال سے یہ مدارس انہی مقاصد کے لیے قائم ہیں، اور تمام تر مشکلات اور نہایت بے سروسامانی کے باوجود اپنے مقصد ِ وجود کو پورا کررہے ہیں تو پھر ان کی تعلیمی اصلاح کی ضرورت واہمیت پر کیوں اتنا زور دیا جاتا ہے؟

اگر کسی ڈاکٹر سے یہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ وکالت یا انجینئرنگ کی تعلیم بھی ضرور حاصل کرے، کسی وکیل سے یہ کہنا مناسب نہیں کہ وہ ڈاکٹری یا سائنس کاعلم بھی ضرور حاصل کرے، اسی طرح بھی ایک فن کے ماہر کے لیےضروری نہیں کہ وہ دوسرے فنون میں بھی ماہر ہو تو پھر علمائے دین ہی کے لیے یہ کیوں ضروری ہوکہ وہ دینی علوم میں تخصّص کے ساتھ ساتھ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی تخصص حاصل کریں؟ اس لیے راقم کے خیال میں دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں اِصلاح کے مطالبے میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہ مطالبہ بڑی شدت کے ساتھ کیا جاتا ہے، تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جہاں تک راقم نے اس پرغور کیا ہےتو اس کے چند اسباب سمجھ میں آتے ہیں:

☆ یہ مطالبہ کرنے والے مختلف لوگ ہیں اور اس سے ان کے اغراض ومقاصد بھی مختلف ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو علما کے ساتھ ہمدردی اوراخلاص کا تعلق رکھتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ علما کی معاشرے میں وہ قدرومنزلت نہیں ہے جواُن کی ہونی چاہیے یا اُن کی آمدنیاں اُن کی معاشی ضروریات اورتمدنی سہولیات کی متکفل نہیں ہیں، تو وہ چاہتے ہیں کہ علما دینی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ، کسبِ معاش کے لیے کچھ اور ہنر سیکھ لیں تا کہ وہ معاشرے کے دستِ نگر نہ رہیں یا عسرت وتنگ دستی کا شکار نہ ہوں۔ اس لیے ان کی تجویز ہوتی ہے کہ مدارسِ میں دست کاریوں کے سکھانے کا اہتمام بھی ہو۔ اس تجویز میں کارفرما جذبہ، اگرچہ اخلاص وہمدردی ہی ہے، لیکن اس پرعمل کرنے کا نقصان یہ ہوگا کہ اس طرح علما کی اکثریت اپنے مقصد سے غافل ہوجائے گی۔

علما کے لیے یہی مناسب اوران کے شایانِ شان ہوگا کہ اللہ نے انہیں قرآن وحدیث کے فہم سے نوازا ہے، تووہ اپنی زندگی قرآن وحدیث کی نشرواشاعت اوراس کی تعلیم وتدریس میں ہی گزاریں۔ ان کا اصل سرمایہ، اعتماد وتوکل علی اللہ ہے، ان کی نظریں مادّی سہولتوں کی بجائے اُخروی اَجروثواب پر ہونی چاہئیں۔ رہی دست نگری کی بات، تو یہ بھی خلافِ واقعہ ہے۔ آخر علما شب وروز اپنے آپ کو دینی خدمت کے لیے وقف رکھتے ہیں، معاشرہ اِس کے عوض ان کی معاشی کفالت کا بندوبست کرتا ہے، تو اس میں دست نگری والی بات کیا ہے؟ یہ تو محنت اور خدمت کا معاوضہ اورصلہ ہے۔ جس طرح معاشرے کے اَور

© rasailojaraid.com

افراد دیگر معاشرتی خدمات سرانجام دیتے ہیں، درزی کپڑے سیتا ہے، حکیم اور ڈاکٹر علاج معالجہ کرتا ہے، ایک شخص 'سیل مینی' کرتا ہے، یہ سب اپنی اپنی محنت وخدمت اور قابلیت کا معاوضہ لیتے ہیں۔ علماء بھی دینی خدمات سرانجام دے کر معاشرے سے معاوضہ وصول کر لیتے ہیں، تو اسے دست نگری کیوں سمجھا جائے؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو کیا اس میں کوئی معقولیت ہے؟

اور جہاں تک قلیل آمدنی کی بات ہے تو یہ اگرچہ بہت حد تک صحیح ہے لیکن علما کے نزدیک اِس کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہئے بلکہ اُن کو اَپنا معیارِ زندگی سادہ ہی رکھنا چاہئے تاکہ وہ معاشرے میں ایک نمونہ بن کر رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل دین کو بھی اپنے رویے میں تبدیلی کر کے علما کی قدر افزائی کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہئے تاکہ علما کی حوصلہ افزائی ہو نہ کہ ان کی حوصلہ شکنی۔ ان کا موجودہ رویہ حوصلہ شکنی پر مبنی ہے جس سے علما اور علومِ دین کی ناقدری ہو رہی ہے اور یوں معاشرے میں دین کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔

مساجد ومدارس کا انتظام کرنے والے، بے دین لوگ تو نہیں ہوتے۔ اہل ایمان اور دین سے محبت رکھنے والے ہی ہوتے ہیں۔ یہ مساجد ومدارس کے لیے لاکھوں کروڑوں روپے لوگوں سے وصول کرتے اور خرچ کرتے ہیں، ان کا سالانہ بجٹ لاکھوں اور کروڑوں پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر یہ اربابِ اہتمام خطابت وامامت سے یا تعلیم وتدریس سے وابستہ علما کی تنخواہوں میں بھی معقول اضافہ کر دیں، تو یقیناً جہاں ان کے دیگر اخراجات کا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے، تنخواہوں کی مد میں ہونے والے تھوڑے سے اضافے کا بندوبست بھی اللہ تعالیٰ فرما سکتا ہے...... یہ صحیح طریقہ تو اختیار کرنے سے گریز کیا جائے اور انہیں کسبِ معاش کے لیے دیگر ذرائع اختیار کرنے کی تلقین کی جائے، جو نہایت خطرناک راستہ ہے جس سے دین کا کام سخت متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔

☆ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ کا نصاب معمولی سے فرق یا اضافے کے ساتھ سکول، کالج اور یونیورسٹی والا کر دیا جائے۔ ان کی ڈگریاں بھی میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے کے برابر ہوں اور ان کے ڈگری یافتہ اصحاب سرکاری اداروں میں ملازمتیں کر سکیں۔

اس تجویز کے پیش کرنے والے کون ہیں؟ اور اس سے ان کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا واقعی اس میں اخلاصِ نیت اور ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے یا نہیں؟ اس سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ اس تجویز پر عمل کرنے سے علما کے دینی کردار کا خاتمہ اور دینی مدارس کے مقصدِ وجود کی نفی ہو جائے گی۔ اس سے دینی مدارس سے امام وخطیب، مصنف ومدرّس اور دین کے داعی ومبلغ بننے بند ہو جائیں گے جو ان کا اصل مقصد ہے اور یہاں سے بھی کلرک، بابو اور زندگی کے دیگر شعبوں میں کھپ جانے والے افراد ہی پیدا ہوں گے، جیسے

© rasailojaraid.com

دنیوی تعلیم کے اداروں سے پیدا ہو رہے ہیں۔ جب کہ دینی مدارس کے قیام اور ان کے الگ وجود کا مقصد شریعت کے ماہرین اور صرف دین اور دینی ضروریات کے لئے کام کرنے والے رجالِ کار پیدا کرنا ہے۔ اس اعتبار سے ان مدارس کی حیثیت تخصیصی شعبوں کی طرح ہے۔ جیسے میڈیکل کا، انجینئر نگ کا، معاشیات کا اور دیگر کسی علم کا شعبہ ہے۔ ان میں سے ہر شعبے میں صرف اسی شعبے سے تعلق رکھنے والی تعلیم کا اہتمام ہوتا ہے، دیگر علوم کی تعلیم کی نہ صرف ضرورت سمجھی نہیں جاتی، بلکہ اسے اصل تعلیم کے لیے سخت نقصان دِہ سمجھا جاتا ہے۔

البتہ اس قسم کا نصاب ایک ایسی اسلامی مملکت میں ہوسکتا ہے جو اسلام کے ساتھ مخلص ہو اور اسلامی تعلیمات ونظریات کا خصوصی اہتمام...... نرسری سے لے کر ایم اے تک ...... ہو اور اپنے عوام کی اسلامی تعلیم وتربیت کے جذبے سے سرشار ہو۔ وہاں دینی مدارس کے الگ مستقل اور متوازی وجود کی شاید ضرورت نہ رہے۔ صرف یونیورسٹیوں میں علومِ شرعیہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق علوم وفنون میں تخصص کی طرح، درجہ تخصص رکھا جاسکتا ہے۔ لیکن جب تک ایسا نہیں ہوتا، یہ مدارسِ دینیہ ہی دینی علوم کے واحد مراکز بھی ہیں اور ان میں درجہ تخصص حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔

☆ تعلیمی اصلاح کی ایک تیسری صورت یہ بھی پیش کی جاتی ہے، بلکہ بہت سی جگہوں پر اس پر عمل بھی ہو رہا ہے، اور وہ یہ کہ جدید اور قدیم دونوں تعلیم کا ملغوبہ تیار کیا جائے۔ تا کہ ایسے افراد تیار ہوں جن میں قدیم وجدید کا امتزاج اور دونوں علوم میں ان کو مہارت ہو۔ یہ تصور یقیناً بڑا خوش کن اور مسرت آگیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تجربہ کئی جگہ کیا گیا ہے لیکن کہیں بھی مبینہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں قسم کے علوم اپنی اپنی جگہ شدید محنت اور توجہ کے متقاضی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عربی مدارس میں طلبا رات دِن محنت کرتے ہیں اور آٹھ سال اس پر صرف کرتے ہیں، اس کے باوجود ہزاروں میں سے چند طالب علم ہی صحیح معنوں میں علمی استعداد سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور دعوت وتبلیغ یا تعلیم وتدریس یا تصنیف وتالیف اور افتاء وتحقیق کے میدان میں کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال دنیوی تعلیم کے شعبوں کی ہے۔ دنیوی تعلیم کے اداروں میں بھی طلبا محنت کرتے ہیں، بلکہ ٹیوشنوں پر بھی ایک معتد بہ رقم خرچ کرتے ہیں۔ لیکن نتائج چالیس فی صد سے بھی کم حاصل ہوتے ہیں، جب الگ الگ مستقل طور پر تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ یہ ہے، تو جب بیک وقت دونوں علوم طالب علموں کو پڑھائے جائیں گے تو ان کے پلے کیا پڑے گا؟

اس طرح کے اداروں سے فارغ ہونے والے نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔ علومِ شریعت میں

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

بھی وہ خام ہوں گے جس کی وجہ سے وہ دینی اور علمی حلقوں میں درخورِ اعتنا نہیں سمجھے جائیں گے اور دنیاوی تعلیم میں بھی وہ اُدھورے اور ناقص ہوں گے، اس لیے زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی انکی کھپت مشکوک رہے گی۔ وہ آدھے تیتر، آدھے بٹیریا ...... نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان ...... ہی کا مصداق ہوں گے۔

☆ ایک چوتھا گروہ ہے، جو نصاب میں صرف اس حد تک تبدیلی کا خواہاں ہے کہ منطق وفلسفے کی کتابوں کی بجائے عصر حاضر کے فتنوں، تحریکوں اور اِزموں کو سمجھنے کے لیے بعض ضروری جدید علوم کی تدریس کا انتظام کیا جائے۔ اس تبدیلی سے یقیناً علماءِ کرام کے کردار کو زیادہ مؤثر اور مفید بنایا جاسکتا ہے۔ جس کے علما اور اصحابِ مدارس قطعاً مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ حسبِ استطاعت بعض بڑے مدارس میں ان کا اہتمام بھی ہے۔ اور اس میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے، جیسے انگریزی زبان کی تدریس، معاشیات کی تعلیم وغیرہ۔ کیونکہ اس تبدیلی اور اہتمام سے مدارسِ دینیہ کا اصل نصاب متاثر نہیں ہوتا، بلکہ اس کی تکمیل ہوتی ہے اور اس سے دین اسلام کی برتری کا وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جو مدارسِ دینیہ کا اصل مقصد ہے۔

اس تجویز کو ایک دوسرے انداز سے بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے کہ مدارسِ دینیہ کے نصاب میں قدرے تخفیف کر کے اس کی مدتِ تکمیل چھ سال کر دی جائے اور اس کے بعد دو یا تین سال ان فارغ التحصیل طلبا کو جدید تعلیم اور جدید نظریات سے آگاہ کیا جائے۔

ایک تعلیمی اصلاح یہ بھی ضروری ہے کہ جدل ومباحثہ پر مبنی کتابوں اور فقہیات کے حصوں میں کمی کر کے قرآن وحدیث کے مضامین اور علوم کو زیادہ اہمیت اور زیادہ وقت دیا جائے اور ممکن ہو تو فقہی مقارنہ کا انتظام کیا جائے تاکہ طلبا میں فقہی جمود اور تنگی کی بجائے وسعتِ نظر بھی پیدا ہو اور وسعتِ ظرف بھی جس کی آج کل بڑی شدید ضرورت ہے۔

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے قیام کا اصل مقصد دینی علوم کی تدریس ہے تاکہ اس کے ذریعے سے دینی اقدار وروایات کا تحفظ کیا جائے۔ یہ کام اور کوئی ادارہ نہیں کر رہا ہے، بلکہ دین کو ملیا میٹ کرنے کی مذموم مساعی زور شور سے جاری ہیں۔ اس لیے مدارسِ دینیہ کے تعلیمی نصاب میں اس انداز کی اصلاح کا کوئی جواز نہیں ہے جو اس کے اصل مقصدِ وجود کے منافی ہو۔ تاہم ایسی اصلاحات ضروری ہیں جن سے علماءِ کرام کے کردار کو زیادہ مؤثر بنایا جا سکے اور دعوت وتبلیغ میں عصری تقاضوں اور اسالیب کو ملحوظ رکھا جا سکے۔ وَما عَلينَا إلا البَلاغ المُبين

www.KitaboSunnat.com